معارف جنوری ۹۰ء

مقالات

حضرت میر سید احمد بادپا رح

از

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، مبارکپور اعظم گڈھ

شاہ بدیع الدین مدار مکن پوری رح متوفی ۸۴۴ھ ہندوستان میں نویں صدی کے مشاہیر اور معمر اولیاء و مشائخ میں سے ہیں، اور ان کی ذات سے اس ملک میں سلسلہ مداریہ کا رواج ہوا، ان کے بارہ معتمدین خاص اور مشاہیر خلفاء میں ایک بزرگ حضرت میر سید احمد بادپا رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو ضلع اعظم گڈھ کے انتہائی مشرقی شمالی پرگنہ نتھو پور (سپاہ، گھوسی) کے ایک مقام کولھوابن میں فروکش ہوئے اور عبادت و ریاضت میں زندگی بسر کر کے اپنے روحانی فیوض و برکات سے اس علاقہ کو فیضیاب کیا اور یہیں انتقال کے بعد دفن کئے گئے۔

مداری سلسلہ کے عام مشائخ کے حالات کی طرح میر سید احمد بادپا کے حالات بھی کمیاب ہیں، تلاش بسیار کے بعد صرف دو کتابوں میں ان کے کچھ حالات مل سکے ہیں، ایک شیخ عبد الرحمن چشتی رح کی مرآۃ المداری جس میں شاہ مدار کے واقعات کے ضمن میں چار مقامات پر ان کا نام آیا ہے جس سے ان کے ٹوٹے مرتبت اور شاہ مدار سے ان کے خصوصی تعلق کا پتہ چلتا ہے، مرآۃ المداری میں ان کے بارے میں جو کچھ ا؛ دجتنا ہے حقیقت پسندانہ ہے، اور دوسری کتاب شیخ وجیہ الدین اشرف رح کی بحر ذخار ہے جس میں عام مداری روایات کی طرح میر سید احمد بادپا رح کے بارے میں عقل و نقل کے خلاف باتیں درج ہیں، نیز فصول مسعودیہ میں شاہ مدار کے ذکر میں میر سید احمد بادپا رح کا نام آیا ہے جس کا ماخذ مرآۃ المداری ہے، اور اعظم گڈھ گزیٹیر میں ان کی درگاہ کے بارے میں کچھ باتیں چند سطروں میں ملتی ہیں، بہرحال ان ہی کتابوں

اور بعض دوسری کتابوں کی مدد سے ان کے متعلق جو کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کو درج کیا جاتا ہے۔

شاہ بدیع الدین مدارؒ میر سید احمد بادپاؒ کے حالات سے پہلے ان کے شیخ و مرشد شاہ مدار کے مختصر حالات کا جاننا ضروری ہے، جن سے میر سید احمد بادپاؒ کے حالات سمجھنے میں مدد ملے گی، شاہ مدار کی شخصیت بڑی متنازع فیہ ہے، حتیٰ کہ طبقۂ صوفیہ و مشائخ بھی ان کے اور ان کے مریدین و متوسلین اور خلفاء کے حالات سے مطمئن نہیں ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے۔

شاہ بدیع الدین مدار، غریب احوال و عجائب اطوار از وے نقل می کنند۔[1]

شاہ بدیع الدین مدار سے لوگ عجیب و غریب احوال و اطوار نقل کرتے ہیں۔

اس کے بعد ان کے بارے میں اسی قبیل کی چند باتیں نقل کرکے لکھا ہے:

وبعضے چیزہائے دیگر گویند کہ اصلے ندارد، واز دائرہ شریعت و طریقت خارج ست، واللہ اعلم۔[1]

اور طبقہ مداریہ کے بعض لوگ دوسری باتیں بیان کرتے ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور وہ شریعت و طریقت کے دائرہ سے خارج ہیں۔

شیخ عبدالصمد بن افضل اکبر آبادیؒ نے ان کے ذکر کے آخر میں لکھا ہے:

وآنچہ دیگر احوال از مریدان و خلفائے او بگوش می رسد ہرگز قسطاس دانش و میزان خرد نسنجد، ناگزیر بہمیں مجمل مفصل سرشتہ سخن کوتاہ گردانیدہ۔[2]

ان کے دوسرے حالات جو ان کے مریدوں اور خلفاء سے سنے گئے ہیں، وہ عقل و دانش کی میزان پر پورے نہیں اترتے ہیں، مجبوراً مجمل طور پر ان کا حال درج کیا گیا ہے۔

[1] اخبار الاخیار، ذکر شاہ بدیع الدین مدار، ص ۱۷۱ [2] اخبار الاصفیاء قلمی ورق ۵۵۔

نیز شیخ فخر الدین بن شیخ داؤد صدیقی مداری کے ذکر میں اپنے دادا شیخ یوسف بن شیخ عبداللہ دانشمند کا قول یہ نقل کیا ہے۔

چنانچہ احوال شاہ بدیع الدین مدار در کتب سلف مسطور نیست واز بزرگان متاخرین نیز بگوش نرسید، اگر شیخ فخر الدین را نمی دیدیم مارا بہ بزرگی و ولایت شاہ دلیل نبود۔[1]

چونکہ شاہ بدیع الدین مدار کے حالات سلف کی کتابوں میں نہیں لکھے گئے، اور بعد کے بزرگوں سے بھی نہیں سنے گئے، اس لئے اگر شیخ فخر الدین کو ہم نہیں دیکھتے تو ہمارے لئے شاہ مدار کی بزرگی اور ولایت کی دلیل نہ ہوتی۔

مداری روایت کے مطابق شاہ مدار کھانا نہیں کھاتے تھے، ان کے بدن اور کپڑے پر مکھی اور میل کچیل نہیں بیٹھتی تھی، ان کے چہرے پر نور برستا تھا، لوگ ان کو سجدہ کرتے تھے، بعد میں ان کے مریدین و خلفاء نے عقل و نقل اور شریعت و طریقت کے خلاف عجیب عجیب حرکتیں کیں، کھانا سدِّ رمق کے لئے کھاتے تھے، بقدر ستر عورت کپڑا پہنتے تھے، اور تجرید و تفرید کے ساتھ اخفائے حال کا اہتمام کرتے تھے، ان باتوں کی وجہ سے علماء اور مشائخ نے ان کی طرف بہت کم توجہ کی، وہ لوگ خود بھی اپنے حال میں مگن رہا کرتے تھے، شاہ مدار اس اعتبار سے مظلوم ہیں کہ ان کے متوسلین نے بعد میں ان کی طرف بہت سی بے بنیاد باتیں منسوب کیں، سید اشرف سمنانیؒ نے لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ حرمین شریفین کے سفر میں ان کے ساتھ تھا، وہ اویسی سلسلہ کے بزرگ تھے، اور ان کو کیمیا، ریمیا، سیمیا، اور ہیمیا کا علم تھا، سلطان ابراہیم شاہ شرقی اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی ان کے معتقدین میں تھے، شاہ مدار کے حلقہ کی روایت کے مطابق وہ ملک شام کے شہر

[1] اخبار الاصفیاء قلمی ورق ۱۰۸۔

حلب میں باختلاف روایت سنہ ۲۲۰ھ یا سنہ ۲۵۰ھ یا سنہ ۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے، اور چھ سو[۶۰۰] یا چار سو[۴۰۰] سال تک زندہ رہے، ان کے نسب میں اختلاف ہے، انہوں نے تصوف کی تعلیم و تلقین شیخ طیفور شامی رح سے حاصل کی اور چودہ[۱۴] سال کی عمر میں حرمین شریفین جا کر حج و زیارت سے مشرف ہوئے، اور وہاں سے ہندوستان آئے، کچھ دنوں کے بعد واپس چلے گئے، دوسری بار براہ سمندر ہندوستان کا سفر کیا، جہاز ٹوٹ گیا، اور وہ ایک جزیرہ میں پہونچ گئے جہاں ملائکہ کے سردار نے ان کو چند لقمے کھلا کر بشارت دی کہ وہ کبھی بھوکے نہیں ہوں گے اور ایک خلعت عطا کرکے کہا کہ ان کے کپڑے اور بدن پر مکھی اور میل نہیں بیٹھے گی، وہاں سے ہندوستان آئے، اور کچھ دنوں کے بعد حرمین شریفین جا کر حج و زیارت کی سعادت حاصل کی، پھر کاظمین اور نجف ہوتے ہوئے بغداد پہونچے وہاں حضرت شیخ عبدالقادر (متوفی سنہ ۵۶۱ھ) سے ملاقات کی، اور ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ جیلانی کی بہن سیدہ نصیبہ رح کو اولاد عطا کی، اور وہاں سے تیسری بار ہندوستان آکر اجمیر گئے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح (متوفی سنہ ۶۳۳ھ) کی زیارت کی، اس کے بعد مدینہ منورہ جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے، کچھ عرصہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے چوتھی بار ہندوستان آئے۔

اور کالپی ہوتے ہوئے جونپور وارد ہوئے۔ سلطان ابراہیم شاہ شرقی اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے ان کا استقبال کیا، کچھ دنوں کے بعد کنتور اور سورت کی راہ سے حجاز چلے گئے اور حج و زیارت کے بعد پانچویں مرتبہ ہندوستان آکر مکن پور میں مستقل قیام کیا اور یہیں کے ہو رہے۔

میر سید احمد بادپا رح | میر سید احمد بادپا کے حسب و نسب، ولایت و مولد اور نشو و نما کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی ہے، بحر ذخار میں مداری عجائبات کی قسم کی ایک روایت ملتی ہے، جس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں، شاہ مدار جب ایک سفر میں بغداد پہونچے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے میر سید احمد بادپا کو شاہ مدار کے حوالہ کرکے ان کی تعلیم و تلقین کے متعلق تاکید کی۔

و سید احمد را غوث الاعظم دست گرفتہ بشاہ مدار سپردہ کہ کشاکش ایں مرد بہ تلقین تو مقرر شدہ، از تربیت او غافل نشوی۔

حضرت غوث الاعظم نے سید احمد کا ہاتھ پکڑ کر شاہ مدار کے حوالہ کیا اور کہا کہ اس مرد کی تعلیم و تربیت تمہارے ذریعہ مقرر ہے، تم اس کی تربیت سے غافل نہ ہونا۔

اور اسی وقت میر سید احمد بادپا شاہ مدار کے ساتھ بغداد سے نکلے، شاہ مدار کا یہ سفر براہ سمرقند ہندوستان کی طرف تھا، انہوں نے اس سفر میں کھانا بالکل ترک کر دیا تھا، اتفاق سے دو ہفتہ تک کھانے پینے کی کوئی چیز میسر نہیں ہوئی جس کی وجہ سے میر سید احمد بادپا بھوک سے بیتاب ہو گئے، شاہ مدار کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے میر سید احمد بادپا سے کہا کہ تم جانب جنوب چند قدم جاؤ، وہاں ایک خوش نما پانی کا چشمہ ملے گا، اس کے کنارے ہرا بھرا درخت ہوگا، جس کے سایہ میں ایک مرد حقیر اپنے سات دوستوں کا کھانا رکھ کر ان کا انتظار کرتا ہوگا، وہ کھانا تمہارے نصیب کا ہے، جب وہ مرد تم کو کھانا دے تو بسم اللہ پڑھ کر کھا لینا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرکے اپنا ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر لینا، اور اس مرد سے کہنا کہ تم نے مجھے سات آدمیوں کا کھانا کھلایا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تم کو سات اقلیم یا سات پشت کی بادشاہت دے گا۔

چنانچہ میر سید احمد بادپا اس جگہ گئے اور اس مرد حقیر نے دیکھا کہ یہ مرد صالح بھوکا ہے تو سوچا کہ میں اور میرے دوست دو ایک دن صبر کر سکتے ہیں یہ نیک آدمی بھوکا معلوم ہوتا ہے، یہ سوچ کر پورا کھانا میر سید احمد بادپا کے سامنے رکھ دیا اور انہوں نے اپنے مرشد کے حکم کے مطابق کھا کر اس مرد حقیر کے حق میں انہی لفظوں میں دعا کی، وہ مرد حقیر امیر تیمور گورگان تھا[۱]

---

[۱] بحر ذخار قلمی ج ۲ ص ۳۰۰-۳۰۴

اس روایت کی رو سے میر سید احمد بادپا بغداد یا اسی دیار کے رہنے والے تھے، اور اس وقت ان کی عمر اتنی تھی کہ غوث الاعظم کی زبان میں "این مرد" ہو گئے تھے، ان کے بچپن کا دور گذر چکا تھا اور اور ان کی روحانی تعلیم و تربیت کا وقت آ گیا تھا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح اپنے وطن گیلان سے سنہ ۴۸۸ھ میں بغداد تشریف لائے اور یہیں سنہ ۵۶۱ھ میں فوت ہوئے، اسی مدت میں یہ واقعہ ہوا ہوگا۔

اور مرآۃ المداری میں ہے کہ جب شاہ مدار اجمیر سے کالپی پہونچے تو میر سید احمد بادپا ان کے ساتھ تھے، اس وقت وہ "در عالم سیر و طیر بے نظیر بود" کے مرتبہ کو پہونچے تھے اور گجرات یا ہندوستان کے کسی علاقہ کے رہنے والے تھے، مرآۃ المداری میں ان کا نام پہلی بار اسی موقع پر یوں آیا ہے۔

وچند مرید صاحب کمال وکار دیدہ مثل	شاہ مدار کے ساتھ کالپی میں ان کے
شاہ مدار، سید جلال الدین المشہور سید	چند مریدان صاحب نظر سید جلال الدین
جمن، وسید احمد بادپائے در عالم سیر و	عرف سید جمن اور سید احمد بادپا جو دنیائے
طیر بے نظیر بود وغیرہ عزیزان صاحب	سیر و پرواز میں بے نظیر تھے ان کے
مشرب ہمراہ داشت کہ از ولایت	علاوہ دوسرے عزیزان ہم مشرب ان
گجرات و از نواحی ہر دیار بخدمتش پیوستہ	کے ساتھ تھے جو کہ ولایت گجرات
بودند[1]	اور ہر طرف سے ان کی خدمت میں آئے تھے۔

مرآۃ المداری میں میر سید احمد بادپا کا نام دوسری بار اس وقت ملتا ہے جب وہ کن پور میں سکونت پذیر ہو گئے اور اس دیار کے بعض اہل علم ان کے پاس امتحان اور بحث و مباحثہ کے خیال سے پہونچے جس سے ان کے علمی مقام و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] مرآۃ المداری قلمی ورق ۲۹

دراں ایام قاضی شہاب الدین مظہر کہ	کن پور کے ایام قیام میں قاضی شہاب الدین
جامع العلوم وقت بود، با صد طالب علم	مظہر جو اپنے وقت کے جامع العلوم تھے
بطریق امتحان بخدمت آنحضرت	ایک سو طالب علموں کے ساتھ امتحان
رسید، و حضرت شاہ مدار پیش از آمدن	کے ارادے سے شاہ مدار کی خدمت میں
او بمریدان صاحب کمال مثل حضرت	آئے، شاہ مدار نے ان کی آمد سے پہلے
شاہ الدولہ؟ و سید جلال الدین المشہور	ہی اپنے باکمال مریدوں جیسے شاہ الدولہ؟
سید جمن، و سید احمد بادپائے، و قاضی	سید جلال الدین عرف سید جلال الدین
شہاب الدین قدوائی .... مستغرق	عرف سید جمن، سید احمد بادپا، قاضی
بودند، و حال بغایت قوی داشتند،	شہاب الدین قدوائی جو کہ بحر معرفت میں
ایشاں را منع فرمود کہ قاضی مظہر	غرق تھے اور انتہائی روحانیت رکھتے
بجہت امتحان و مباحثہ می آید، ہیچ	تھے، ان کو منع کیا کہ قاضی مظہر امتحان
یکے از شما مزاحم مقال او نشود [illegible]	اور بحث کے لئے آرہے ہیں، تم لوگوں
او را براہ خواہم آورد[1]	میں سے کوئی ان کی بات میں دخل نہ دے
	میں ان کو اپنے طور پر راہ راست پر لاؤنگا۔

اور جب بحث و مباحثہ میں قاضی مظہر اور ان کے تمام شاگرد مدار کے قائل ہو کر ان کی بیعت و ارادت میں آ گئے۔ تو ان سب کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے لئے شاہ مدار نے اپنے باکمال اور قوی حال مریدوں میں سے سید جلال الدین عرف سید جمن اور میر سید احمد بادپا رح کو منتخب کر کے کچھ دنوں کے لئے ان کے حوالہ کر دیا، اسی سلسلہ میں میر سید احمد بادپا رح کا نام تیسری بار آیا ہے۔

---

[1] مرآۃ المداری قلمی ورق ۶۰۔

و قاضی مظہر با شاگردان سرزمین نیاز آوردہ توبہ کرد، و بشرف ارادت مشرف گردید، پس سید جلال الدین و سید احمد بادپائے را فرمان شد کہ قاضی را باشاگرداں چند روز صحبت خود نگاہ دارید کہ صلاح ایں طائفہ را بفہمند، بعد ازاں من او را بشغل باطن خود... خواہم ساخت الغرض قاضی مظہر را بطرز صوفیہ اہل صفا مشغول ساختہ بمرتبۂ بلند و تکمیل رسانید کہ او خود صاحب ارشاد گشت و عالمی را ہدایت بخشید۔[1]

قاضی مظہر اپنے شاگردوں کے ساتھ شاہ مدار کے قائل ہوکر ان کی بیعت و ارادت سے مشرف ہو گئے تو سید جلال الدین اور سید احمد بادپا کو حکم ہوا کہ تم دونوں قاضی مظہر اور ان کے شاگردوں کو چند روز اپنے پاس رکھو تاکہ وہ لوگ اس گروہ صوفیہ کے طور طریقہ کو سمجھیں، اس کے بعد میں اپنے شغل باطن سے ان کو راہ راست پر لاؤں گا... چنانچہ شاہ مدار نے ان کو یوں مرتبہ کمال تک پہنچایا کہ خود صاحب ارشاد ہو کر ایک عالم کو راہِ ہدایت دکھائی۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید جلال الدین اور میر سید احمد بادپا دونوں حضرات شاہ مدار کے خاص علمی و روحانی معتمد تھے، جن سے وہ اپنے اہل علم مریدوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت کی خدمت لیتے تھے، مرآۃ المداری میں تین مقامات پر سید جلال الدین اور میر سید احمد کا نام آیا ہے دو مقام پر صرف ان ہی دونوں حضرات کا نام ہے، اور ایک مقام پر دوسرے خلفاء کے نام کے ساتھ ہے اس سے بھی میر سید احمد بادپا کی علمیت و جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے، نیز شاہ مدار کے

۱؎ مرآۃ المداری ورق ۶۲

خلفاء میں وہ روحانی سیر و پرواز میں اپنی مثال نہیں رکھتے ہیں، ان کی اس خاص صفت کو مرآۃ المداری میں دو بارہ ذکر کیا گیا ہے۔ (ورق ۲۸ اور ورق ۸۲)

فضائے روحانیت اور عالم باطن میں ان کے سیر و طیر کی وجہ سے ان کا لقب بادپا مشہور ہو گیا اور بحر ذخار میں ملا محمد صالح ہرگانوی کے حوالہ سے جو یہ درج ہے کہ:

لقب وے بائیں پاؤ ازاں ست کہ چند سال بر پائے چپ استادہ عبادت کردہ است[1]

ان کا لقب بائیں پاؤ ہے کیوں کہ انہوں نے چند سال تک بائیں پیر پر کھڑے ہوکر عبادت کی تھی۔

صحیح نہیں ہے، ہمارا خیال ہے کہ بادپا عوامی تلفظ میں بائیں پاؤ ہو گیا ہے، دونوں میں صوتی ہم آہنگی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے اور عوام میں یہی مشہور ہو گیا تو اس کے لیے وجہ بنائی گئی۔

نیز بحر ذخار میں مرآۃ المداری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "او سہ صد و چند چلہا جا بجا کشیدہ" یعنی میر سید احمد بادپا نے تین سو سے زائد چلے جا بجا کھینچے ہیں، ہمارے سامنے مرآۃ المداری کا جو مخطوطہ ہے اس میں یہ عبارت نظر نہیں پڑی ہے میر سید احمد بادپا کے علوئے مرتبت کا اندازہ ان القاب سے بھی ہوتا ہے جن سے شیخ وجیہ الدین اشرف نے بحر ذخار میں ان کا تذکرہ شروع کیا ہے۔

"آں نزہت آرائے چارچمن توحید، آں طراوت پیرائے گلشن تجرید، آں تاج بخش سلاطین و فقراء، آں مشغول ہوائے دوست، سید احمد بادپا، مرید و خلیفہ رشید شاہ بدیع الدین قطب المدار ست۔"

وفات اور مزار میر سید احمد بادپا کی ولادت کی طرح ان کی تاریخ وفات بھی معلوم نہیں ہے، نیز ان کی عمر کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے، شاہ مدار کے ستر خلفاء میں سے اکثر کی وفات نویں صدی

۱؎ بحر ذخار ج ۲ ص ۳۰۳

کے آخر یا دسویں صدی کی ابتدا میں ہوئی ہے، میر سید احمد بادپا کی وفات بھی ان ہی حدود میں ہوئی ہوگی۔ بحر ذخار کی روایت کے مطابق وہ چھٹی صدی کے نصف اول میں بغداد میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے یہاں اچھی خاصی عمر کے تھے، اگر نویں صدی میں ان کی وفات مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی عمر کم وبیش تین سو سال کی تھی جو میزان عقل و دانش پر پوری نہیں اترتی ہے، شاہ مدار کالپی میں ۸۳۰ھ کے حدود میں گئے تھے، جہاں مداری روایت کے مطابق ان کے غیظ و غضب کی آگ میں اسی سال شیخ سراج سوختہ جل کر فوت ہوئے تھے اس وقت میر سید احمد بادپا شاہ مدار کے ہمراہ تھے نیز سید جلال الدین عرف سید جمن موجود تھے اس کے بعد مکن پورہ کے زمانہ قیام میں بھی یہ دونوں حضرات شاہ مدار کی خدمت میں برابر رہے اس سے علم و روحانیت اور مشیخت و فضیلت میں دونوں حضرات کے ہم پلہ ہونے کے ساتھ ان کے ہم عصر اور ہم عمر ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے، چھوٹے بڑے کا فرق رہا ہوگا۔

مرآۃ المرادی میں شاہ مدار کے اجلہ خلفاء کے مقامات ولایت و مزارات کا ذکر نہایت تحقیق و تفصیل سے کیا گیا ہے، مگر ان میں سے کسی کی تاریخ وفات نہیں ہے، شیخ محمود کنتوری اور ان کے صاحبزادے میٹھا مداری کے مزارات کنتور میں بیان کر کے لکھا ہے۔

وحضرت قاضی مظہر نیز بغایت عظیم	حضرت قاضی مظہر نہایت جلیل القدر تھے ان کی آرامگاہ شہر کالپی میں ہے،
القدر بود، و در شہر کالپی آرامگاہ او	
ست، وحضرت قاضی شہاب الدین	قاضی شہاب الدین قدوائی کا مرقد
قدوائی در موضع جلالی؟ خفتہ تصرف	موضع جلالی میں ہے، شاہ الدولہ؟
در آں دیار می کند، وحضرت شاہ	بنگال کے شہر گور میں آسودہ خواب
الدولہ؟ در ولایت گور بنگالہ آسودہ	ہیں، میر سید جلال الدین عرف سید

است، شہرتے عظیم دارد، وحضرت میر	جمن نے قفنیہ سلیہ؟ قریب بنارس میں
سید جلال الدین المشہور سید جمن کہ در	اپنا مسکن بنایا، سید احمد بادپا جو کہ سیر و
قفنیہ سلیہ؟ قریب بنارس مسکن گرفتہ	طیر میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے کاہوابن
تصرفے قوی دارد، وحضرت سید احمد	کے جنگل میں ان کی آرامگاہ ہے جو کہ
بادپائے در سیر و طیر نظیر نہ داشت در جنگل	شہر جون پور کے اطراف میں ہے، شاہ
کلہوابن نواحی شہر جونپور آرامگاہ او	اجودھن مداری نے اودھ کو اپنا مسکن
ست، وحضرت شاہ اجودھن مداری کہ	بنایا، شیخ بڈھن صدیقی کی قرار گاہ
شہر اودھ مسکن گرفتہ است، وحضرت	سندیلہ میں ہے۔ شاہ بھکاری شہر
شیخ بڈھن صدیقی کہ در قصبہ سندیلہ	قنوج میں مشہور ہیں، شیخ شمس الدین
قرارگاہ او ست، وشاہ بھکاری کہ در	نے شہر لکھنؤ کو مسکن بنایا اور ان کا
شہر قنوج شہرت دارد، وحضرت	مرقد آج تک زیارت گاہ مخلوق ہے۔
شمس الدین لاٹ؟ کہ در شہر لکھنؤ مسکن	
گرفتہ بود تا امروز مرقد او زیارت گاہ	
خلق است، وغیرہ۔[1]	

شیخ عبدالرحمن چشتی رح متوفی ۱۰۹۴ھ کے اس صاف و صریح بیان کے بعد کہ میر سید احمد بادپا رح کی آرامگاہ نواحی جونپور میں کلہوابن (کوہوا) کے جنگل میں ہے، ان کی جائے دفن میں کوئی شبہ نہیں ہے، چنانچہ فصول مسعودیہ میں بھی مرآۃ المداری کے حوالے سے بعینہ یہی عبارت نقل کی ہے، اور ان کے مزار کے بارے میں کوئی شک و شبہ ظاہر نہیں کیا ہے۔[2] مگر شیخ وجیہ الدین اشرف نے بحر ذخار میں جس کا

---

[1] مرآۃ المداری ورق ۸۲، [2] فصول مسعودیہ ص ۲۲۲

سنہ تصنیف سنہ ۱۲۰۱ھ ہے، میر سید احمد بادپا کا مزار کہلوابن میں بتانے کے ساتھ اس میں شک کا اظہار کیا ہے۔

مزار شریفش در کولہوابن است۔۔۔	ان کا مزار کلہوابن میں ہے مگر تحقیق یہ
امّا تحقیق آں ست کہ از مزار شریفش	ہے کہ ان کے مزار کے بارے میں کوئی
در احاطہ تحریر نمی گنجد۔	بات احاطہ تحریر میں نہیں آئی۔

جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا شاہ مدار نے انتقال سے کچھ دن پہلے اپنے خلفاء کو تنہا تنہا بلا کر سب کا مقام ولایت مقرر کر دیا تھا، جہاں ان کے بعد وہ حضرات جا کر عبادت و ریاضت اور رشد و ہدایت میں زندگی بسر کر کے فوت ہوئے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ میر سید احمد بادپا اپنے مرشد کی ہدایت پر یہاں آئے اور دیگر خلفاء کی طرح وہ بھی اس جگہ فوت ہو کر مدفون ہوئے۔

مرآۃ المداری کی تصریح کے مطابق گیارہویں صدی تک ان کی قبر کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا مگر بحر ذخار کے بیان کے مطابق بارہویں صدی میں شبہ پڑ گیا، اعظم گڈھ گزیٹیر سنہ ۱۹۱۱ء میں ہے کہ کہلوابن درگاہ پرگنہ محمد پور میں ہے، سید احمد بادپا جن کو عموماً میرا صاحب کہتے ہیں انھوں نے چالیس دن تک بغیر کھائے پیئے چلّہ کیا تھا، ان ہی کے نام پر میلہ (عرس) چھ ہفتہ لگاتار ہر جمعرات کو لگتا ہے۔ جیٹھ کے آخری ہفتہ سے شروع ہوتا ہے، کہلوابن کے قریب چنڈیل راجپوتوں کی آبادی گھاگھرا کے کنارے ہے[1]، اور یہاں کے عوام و خواص اس جگہ کو میر سید احمد بادپا کا چلّہ بتاتے ہیں،

میں نے حال ہی میں اس مقام کو جا کر دیکھا ہے دریائے گھاگھرا کے جنوب سیلی اور نشیبی علاقہ میں ایک بلند قطعہ زمین پر احاطہ کے اندر اور باہر کئی قبریں ہیں اور احاطہ کے اندر پورب جانب پختہ چہار دیواری ہے، اس کے کھلے صحن میں ایک بڑا سا اونچا قبر نما چبوترہ ہے، اس پر چادر پڑی ہوئی ہے،

لہ اعظم گڈھ گزیٹیر سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۴۵۔

اور اس کے جنوبی مشرقی گوشہ میں لوہے کی بھاری بھرکم روایتی زنجیر لٹک رہی ہے جس میں مقامی روایت کے مطابق میر سید احمد بادپا نے راجہ کہلوا کو جکڑ دیا تھا، میری تحقیق میں یہی بلند چبوترہ ان کا مزار ہے، اور یہ صحیح نہیں ہے کہ یہاں پر میر سید احمد بادپا نے چلّہ کیا ہے، چلّہ کی جگہ چبوترہ کے مانند نہیں ہوتی ہے بلکہ زاویہ وخلوہ اور چھوٹی سی کوٹھری ہوتی ہے، ہندوستان کی خانقاہوں میں چلّہ کی جگہ اسی قسم کی ہوتی ہے، لاہور میں حضرت سید علی ہجویریؒ اور تھانہ بھون میں حاجی امداد اللہؒ کی چلّہ گاہ ہم نے دیکھی ہے جو تنگ و تاریک زاویہ کی شکل میں ہے۔

شیخ وجیہ الدین اشرف کے اس بیان سے بھی اس کی تاکید ہوتی ہے کہ اسی جگہ میر سید احمد بادپا کا مزار ہے۔

"در ایام عرس خلائق آں دیار نذور می آرند، و طریق سوختن آسیب در ایام عرس زیادہ می باشد۔۔۔ اگر کسے در کولہوابن راہ گم می کند بطریق مسافر یا بر وضع کدام جانور نمودار شدہ براہ راست می گزارند"[1]

ان باتوں کی صحت و عدم صحت سے قطع نظر مصنف بحر ذخار کے بیان کے مطابق ایام عرس میں نذر و نیاز لائی جاتی ہے، آسیب جلایا جاتا ہے، بھولے بھٹکے آدمی کو میر سید احمد بادپا نکل کر راستہ دکھاتے ہیں، یہ سب باتیں وہاں پر ان کی قبر کے وجود پر دلیل ہیں، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرور زمانہ اور کتبہ و قبہ وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے اس حظیرہ کی قبروں میں ان کی قبر مشتبہ ہو گئی، اور پتہ نہ چل سکا کہ ان میں ان کی قبر کون ہے؟

میر سید احمد بادپا کہلوابن اپنے مرشد شاہ مدار کے امر و حکم کے مطابق ان کے انتقال کے بعد گئے، اور باقی زندگی وہیں بسر کی، شاہ مدار کا انتقال ۱۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۴۴ھ میں سلطان

لہ بحر ذخار ج ۲ صفحہ ۳۰۲

ابراہیم شاہ شرقی کے آخری دورِ سلطنت میں مکن پور میں ہوا، اس سے کچھ ہی پہلے انہوں نے اپنے ستر خلفاء کو تنہا تنہا بلا کر وصیت ونصیحت کی اور ہر ایک کے لئے اس کے مقام ولایت کی تعیین کر کے رشد وہدایت کی خدمت سپرد کی، مرآۃ المداری میں ہے۔

پس حضرت شاہ مدار در ایامِ آخر حیاتِ	شاہ مدار نے اپنی زندگی کے آخری
خود ہر روز بعضے ازاں مریدان صاحب	دنوں میں اپنے کامل خلفاء میں سے ہر
تکمیل جدا جدا بنوبت درجائے خلوتِ	ایک کو روزانہ باری باری سے خلوت
خود می طلبید وہر یک را بوصیتے ونعمتے	میں بلا کر وصیت ونعمت سے نوازا،
مخصوص ومفتخر می گردانید ومقامے	خرقۂ خلافت عطا کیا اور ہر ایک خلیفہ
بجہت سکونت او متعین می ساخت، و	کی جائے سکونت مقرر ومتعین کر کے
اجازتِ ارشاد مع خرقۂ خلافت عطا می فرمود[1]	ارشاد وتلقین کی اجازت دی۔

فصول مسعودیہ میں بھی مرآۃ المداری کے حوالہ سے یہ بیان درج ہے، بلکہ مناقب الاولیاء کے حوالہ سے میر سید احمد بادپا قدس سرہ کے نام کی تصریح ہے[2]۔

اس بیان کے مطابق میر سید احمد بادپا نے شاہ مدار کے انتقال سنہ ۸۴۴ھ کے بعد کولہوابن میں سکونت اختیار کی، اور ارشاد وہدایت اور خدمت خلق میں باقی زندگی یہیں بسر کر کے وفات پائی، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مزار کولہوابن ہی میں ہے، جس طرح شاہ مدار کے دیگر خلفاء اپنے اپنے مقام ولایت میں فوت ہوئے اور ان کے مزارات وہیں بنے۔

پرگنہ نتھوپور کا علاقہ شرقیوں، لودھیوں اور مغلوں کے دور سلطنت میں جونپور میں شمار ہوتا

[1] مرآۃ المداری ورق ۸۲، [2] فصول مسعودیہ صـ۲۲۱ و صـ۲۲۲۔

تھا، دریائے گھاگھرا اور دریائے گنگا کا دوآبہ ہونے کی وجہ سے قدیم زمانہ میں چھوٹی بڑی جھیلوں اور گھنے جنگلوں پر مشتمل تھا، تال نرجا اور تال رتوئے آج وہاں کے مشہور تال ہیں، یہ دریائے گھاگھرا کا دوارہ اور گانجر ہے جس کا سلسلہ دیوریا تک چلا گیا ہے، اس علاقہ میں طاقتور راجپوتوں کی آبادی تھی، جن میں کئی راجے اور بڑے زمیندار تھے، وہ یہاں کے سیاہ وسفید کے مالک تھے بلکہ اس دیار میں ان ہی کی حکومت تھی، اعظم گڈھ گزیٹیر میں یہاں چنڈیل راجپوتوں کی آبادی کا ذکر ہے اور ایک انگریز مسٹر ٹی، ڈبلیو، ٹالبورٹ اسسٹنٹ کمشنر ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں نے یہاں کے بارے میں لکھا ہے کہ درمیان گنگا و گھاگھرا کے راجپوت بکثرت آباد ہیں، اس طرف بینسوارہ یعنی ملک گوت بینس واقع ہے، بلکہ اس کے تمام گرد ونواح میں نشان ظاہر ہے کہ ایام سابقہ میں ملکیت علی راجپوتوں کی تھی، اعظم گڈھ اور غازی پور اور سون کے دوآبہ میں یہی آباد ہیں[1]،

نتھوپور کے مشرق میں دو میل پر مدھوبن واقع ہے جو راجہ مادھول کے نام پر آباد ہے، اس کے شمال میں تین چار میل پر کولہوابن ہے، یہ غالباً راجہ کولہوا کے نام پر آباد ہے، جو قدیم زمانہ میں گھاگھرا سے تھوڑے فاصلہ پر جنوب میں گھنا جنگل (بن) تھا، مرآۃ المداری کی عبارت "در جنگل کولہوابن" سے معلوم ہوتا ہے کہ میر سید احمد بادپا کے زمانہ میں یہ علاقہ جنگلات پر مشتمل تھا، آج بھی یہاں کے نشیب وفراز اور جھاڑ جھنکاڑ دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ سارا علاقہ جنگل اور بن رہا ہوگا، چونکہ یہ مرکزی مقامات سے دور اور دشوار گذار تھا اس لئے یہاں کے باشندے آزاد اور بیرونی طاقتوں سے نبرد آزما رہا کرتے تھے۔

اسی علاقہ میں سنہ ۸۴۴ھ کے بعد میر سید احمد بادپا تشریف لائے اور مستقل سکونت اختیار کی، یہاں ان کے دوران قیام میں ایک عظیم سانحہ ہوا جس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور شر وفساد

[1] خلاصۂ حال اقوام ہند صـ۵۱، صـ۵۲ مطبوعہ سنہ ۱۸۷۰ء،

کا بازار گرم ہوا، اس کی تفصیل شمس الدین حیدری نے مناقب غوثی میں (جو شاہ ابو الغوث گرم دیوان بھیروی لہرادی کے حالات میں ہے) بیان کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے دور سلطنت میں ولایتِ بالا سے ایک بزرگ شیخ عبد الحکیم صدیقی رح جون پور آئے، ان کے ساتھ ان کے اور خاندان کے اٹھارہ ۱۸ نوجوان لڑکے بھی تھے، سلطان ابراہیم شاہ نے ان کو اپنے مقربین میں شامل کرلیا، اور کچھ دنوں کے بعد ان کو پرگنہ نتھو پور اور دیگر پرگنہ جات کی مدار المہامی پر مامور کیا، شیخ عبد الحکیم صدیقی نے اپنے اعوان و انصار کے ساتھ یہاں آکر سرکشوں کو زیر کیا، اور بگڑے ہوئے حالات درست کرکے نتھو پور سے مجھولی اور بہار تک سلطان ابراہیم شاہ کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا، اور کئی سال تک نہایت کامیاب حکومت کی، مگر آخری شرقی بادشاہ حسین شاہ (سنہ ۸۶۲ھ تا سنہ ۸۸۱ھ) کی بہلول لودھی بادشاہ دہلی سے جنگ اور سلطان حسین شاہ کی شکست کے دوران یہاں کے حالات میں ابتری پیدا ہوگئی، اور اطراف و جوانب کے راجوں اور زمینداروں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جم غفیر جمع کرکے شیخ عبد الحکیم صدیقی پر اجتماعی حملہ کر دیا، اور جس طرح مسعود سالار پر راجوں نے اجتماعی حملہ کرکے ان کو شہید کر دیا اسی طرح یہاں کے راجوں نے شیخ عبد الحکیم صدیقی اور ان کے لڑکوں کو شہید کر دیا۔[1]

سنہ ۸۷۸ھ میں سلطان بہلول لودھی اور سلطان حسین شرقی کے درمیان جنگ ہوئی جس میں سلطان حسین شرقی شکست کھا کر بنگالہ کے بادشاہ علاء الدین شاہ کی پناہ میں چلا گیا، اور سلطان بہلول لودھی نے اپنے لڑکے باربک کو جونپور کا حاکم بنایا، بعد میں سلطان حسین نے اس کو سلطان سکندر لودھی کے خلاف ابھار کر اس کی مدد کی مگر باربک شکست کھا کر جونپور چلا آیا، اسی انتشار و خلفشار اور باہمی جنگ و جدال کے نتیجہ میں اس نواح میں بغاوت اور سرکشی کا ظہور ہوا، اور

[1] مناقب غوثی باب ہشتم قلمی، دار المصنفین،

مسلمانوں کو ایک عظیم حادثہ سے دوچار ہونا پڑا، ساتھ ہی جونپور سے شرقی سلطنت بھی ختم ہوگئی، بعد میں لودھیوں نے اس علاقہ میں معقول انتظام کیا، سلطان ابراہیم لودھی کے نام پر ابراہیم پور (سیاہ) آباد ہوا، اس کے آگے سلطان سکندر لودھی کے نام پر سکندر پور (بلیا) آباد ہوا۔ اس علاقہ کی ایک بستی لدھوائی بھی لودھیوں کا پتہ دیتی ہے، کچھ مدت تک یہ دیار شیر شاہ سوری کے زیر تصرف رہا اور مقامی روایت کے مطابق وہ میر سید احمد بادپا کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوا اور خانقاہ کے خدام اور واردین و صادرین کے لئے جاگیر عطا کی، اور اس کے خاندان کی ایک خاتون "بانو بی بی" کے "چک بانو بی بی" اب تک چلا آرہا ہے۔[1]

نتھو پور اور اس کے نواح کا مذکورہ بالا حادثہ یہاں پر میر سید احمد بادپا کے دوران قیام

[1] مغل دور میں راجہ عظمت خاں بانی عظمت گڈھ کے بیٹے مہابت خاں نے مدھوبن سے اتر ولیا تک اپنی حکومت قائم کرلی تھی، بعد میں نواب اودھ سے جنگ کرکے گورکھپور میں قید ہوئے (مقدمہ حیات شبلی) یہاں نوابی اودھ کے دور میں میر سید احمد بادپا کے آستانہ کی جاگیر کے سلسلہ میں سنہ ۱۲۱۱ھ میں نواب آصف الدولہ کی طرف سے ایک سند ملی تھی، ۱۱ اپریل سنہ ۱۸۱۲ء میں مبارکپور میں زبردست جنگ ہوئی، جس میں [کوہوا] کلہوابن کے قریب سورج پور کا باجپتر دھاری سنگھ ہاتھی پر سوار ہوکر دو سو سواروں اور پیادوں کے ساتھ شریک ہوا، اور بودھن نامی ایک شخص نے بندوق سے اس کا کام تمام کیا (واقعات و حادثات مبارکپور قلمی ص ۱۸ - ۲۵ رجون سنہ ۱۸۹۳ء (۱۰ ذوالحجہ سنہ ۱۳۱۱ھ) میں گئوکشی کے بارے میں [میں] مئو جنگ ہوئی جس میں اس علاقہ کے لوگ کثیر تعداد میں شریک تھے، اور اگست سنہ ۱۸۹۳ء میں سورج پور کے چند لوگوں نے بجائے تو پیش کلکٹری اور جی کے عہدے مقرر کئے اور داروغہ و چپراسی مقرر کرکے قریب کے دیہات کے مویشی پکڑے اور ان پر جرمانے کئے، بعد میں یہ لوگ گرفتار ہوئے (اخبار الوقت گورکھپور ۸ اگست سنہ ۱۸۹۳ء) سنہ ۱۹۴۲ء کے آندولن میں مدھوبن سے بلیا تک انگریزی حکومت ہفتوں عملاً ختم رہی۔

میں بیش آیا تھا، اور انہوں نے اس کے بعد مادی طاقت کے بجائے روحانی اور اخلاقی طاقت استعمال کر کے اس علاقہ کے سرکشوں اور ظالموں کو زیر کیا، خاص طور سے راجہ کھلہ کو اپنے تصرفات باطنی سے مطیع کیا جو اس دیار میں سرکشی اور شر و فساد میں پیش پیش تھا۔

ہندوستان کے صوفیہ و مشائخ نے اپنی روحانی اور اخلاقی تلوار سے عوام کے دلوں کو فتح کر کے ان میں باہمی محبت کا بیج بویا ہے اور بادشاہوں کے تخت و تاج کے سامنے نہ جھکنے والی گردن نے ان کے آستانوں پر اپنے اپنے عقیدہ و انداز کے مطابق عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کئے ہیں، یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے، راقم نے مدھوبن میں کئی مقامی لوگوں سے کولھوابن کا راستہ پوچھا مگر سب نے کولھوابن نام کی بستی سے لاعلمی ظاہر کی اور جب اس کے ساتھ "درگاہ" ملایا تو سب نے بتا دیا کیونکہ اس بستی کو صرف درگاہ کہتے ہیں۔

میر سید احمد بادپا کے آستانہ کی تقدیس و احترام میں یہاں کے خدام اور واردین و صادرین کے لئے جاگیریں اور معافیاں عطا کی گئیں اور اس دیار کے ہر حکمران نے ان کی تصدیق و توثیق کے لئے سند اور تمسک نامہ دیا ہے، آخری دور کی چند سندیں اب تک موجود ہیں، جن میں دو سندیں بادشاہ غازی عالمگیر کے حاکم الہ آباد فضل علی خاں کی مہر و تصدیق سے ہیں، ایک سند پر سنہ ۱۱۶۲ فصلی اور دوسری سند پر سنہ ۱۱۹۴ فصلی ہے، تیسری سند حیدر بیگ خاں کی مہر سے ہے، اس پر سنہ ۱۱۸۰ھ ہے، چوتھی سند حسین علی خاں کی مہر سے ہے، اس پر سنہ ۱۱۷۵ھ درج ہے، پانچویں سند راج کمار تنھو سنگھ کنور بہادر کی مہر سے ہے اس پر سنہ ۱۲۰۰ھ ہے، اور چھٹی سند نواب آصف الدولہ کے دور حکومت کے "خادم شرع احمد عربی قاضی سید حسن علی" کی مہر تصدیق سے ہے، اس پر سنہ ۱۲۱۰ھ درج ہے۔

افسانہ اور حقیقت | یہاں تک لکھنے کے بعد کچھ اور مراجع و منابع ملے جن سے اس سلسلہ کی مزید

باتیں معلوم ہوتی ہیں، مناسب ہے کہ ان کو بھی یہاں ذکر کر دیا جائے تذکرۃ المتقین فی احوال خلفائے حضرت سید بدیع الدین مصنفہ سید امیر حسن مداری میں ہے کہ شاہ مدار نے بی بی نصیبہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو دو فرزند صاحب اقبال عطا فرمائے گا، تم بڑے لڑکے کو میرے حوالہ کرنا اور چھوٹے لڑکے کو اپنے پاس رکھنا، جب شاہ مدار دوبارہ بغداد گئے تو دونوں لڑکے پیدا ہو چکے تھے، سید محمد اور سید احمد، اتفاق سے سید محمد بالا خانہ سے گر کر مر گئے اور شاہ مدار کی دعا سے پھر زندہ ہو گئے، اس کرامت کو دیکھ کر بی بی نصیبہ کے یہ دونوں صاحبزادے سید محمد اور سید احمد اور بھتیجے میر شمس الدین حسن عرب، اور میر رکن الدین حسن عرب شاہ مدار کے حلقۂ ارادت میں آکر ان کے ساتھ ہو گئے، اور کربلا ہوتے ہوئے نجف اشرف آئے، یہاں شاہ مدار سید جلال الدین وغیرہ کو اعتکاف میں بٹھا کر خود عازم ہند ہوئے، اور سیر و سیاحت کرتے ہوئے اجمیر کی کوکلا پہاڑی پر معتکف ہو گئے۔[1]

اور دوسری جگہ ہے کہ شاہ مدار نے شہر اجمیر پہونچکر سید جلال الدین اور سید احمد کو کوکلا پہاڑی پر اعتکاف میں بٹھایا اور خود کالپی کی طرف روانہ ہوئے۔[2]

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سید محمد اور سید احمد حقیقی بھائی اور بی بی نصیبہ کے فرزند تھے، اور سید محمد بعد میں سید جلال الدین کے نام سے مشہور ہوئے، تذکرۃ المتقین کے حاشیہ پر ایک کتاب ہے جس کا نام اور مصنف معلوم نہ ہو سکا، اس میں ہے کہ:

و سید جمال الدین و سید احمد الدین فرزندان	سید جمال الدین اور سید احمد الدین
سید محمود بودند، نام مادر ایشاں بی بی	دونوں سید محمود کے لڑکے تھے، ان
نصیبہ دختر ابو صالح، ہمشیرہ سید محی الدین	کی ماں بی بی نصیبہ ابو صالح کی دختر

---

[1] تذکرۃ المتقین ص ۴۵ مطبع قیومی کانپور [2] تذکرۃ المتقین ص ۴۷

عبدالقادر جیلانی است، وقتیکہ
حضرت قطب المدار بمیر موصوف
در بغداد بایک دیگر ملاقات فرمودہ
بودند، میر موصوف قدس اللہ اسرارہم
میر جلال الدین و سید احمد را حوالہ و
تسلیم حضرت شاہ مدار نمودند کہ ایں
مردمان از شما بہرہ مند خواہند شد،
و لقب بایں پا از آنست کہ چہل سال
بپائے چپ لبیک گویان استادہ اند
و سید جمال الدین را جان من جنتی
ازاں گویند کہ روزے حضرت
شاہ مدار بر کوہ اجمیر نشستہ بودند
بمجرد دیدنش فرمودند کہ جان من
جنتی است، ہمدرداں ساعت علم
اولین و آخرین برو مکشوف شد۔[1]

اور سید محی الدین عبدالقادر جیلانی
کی ہمشیرہ تھیں، جس وقت شاہ
مدار اور میر سید محمود دونوں ایک
دوسرے سے ملے، میر سید محمود نے
سید جلال الدین اور سید احمد کو شاہ
مدار کے سپرد کیا اور کہا کہ یہ دونوں
آپ کے فیض سے بہرہ مند ہوں گے۔
اور (سید احمد کا) لقب بائیں پا اس
لئے ہے کہ وہ چالیس سال تک بائیں
پیر پر کھڑے رہ کر لبیک کہتے رہے ہیں
اور سید جلال الدین کو جان من جنتی اس
لئے کہتے ہیں کہ ایک دن شاہ مدار اجمیر
کے پہاڑ پر بیٹھے تھے اسی حال میں
انہوں نے سید جلال الدین کو دیکھتے ہی
کہا کہ جان من جنتی ہے اور اس وقت
تمام علوم اولین و آخرین ان پر منکشف
ہو گئے۔

یہاں پر سید جمال الدین جان من جنتی سے مراد سید جلال الدین عرف سید حسن ہیں جن کا مزار

۱؎ حاشیہ تذکرۃ المتقین ص ۶۔

ہلیسہ میں ہے، اسی کتاب میں شاہ مدار کے بارہ جلیل القدر خلفاء اور ان کے مزارات کا ذکر ہے،
اسی سلسلہ میں ہے کہ:

دوازدہم سید احمد بائیں پا کہ دوازدہ
سال لبیک گویان برپائے چپ
ایستادہ و پائے راست بر زمین ننہاد
قبرے در سواد کولہوا بن است،
کامل کہ در عصر ہمایوں پادشاہ
بودے۔[1]

بارہویں خلیفہ سید احمد بائیں پا ہیں،
جو بارہ سال تک لبیک کہتے ہوئے
بائیں پیر پر کھڑے رہے اور دایاں
پیر زمین پر نہیں رکھا، ان کی قبر سوادِ
کولہوا بن میں ہے، وہ ولی کامل
ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں تھے۔

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) اوپر کی عبارت میں ہے کہ چالیس سال تک بائیں پیر پر کھڑے رہے اور یہاں پر ہے کہ بارہ سال تک کھڑے رہے، (۲) ان کی قبر کے کولہوا بن میں ہونے کی تصریح ہے، (۳) اور وہ سلطان ہمایوں کے عہد (۹۳۷ھ تا ۹۶۳ھ) میں موجود تھے، اور تذکرۃ المتقین میں ہے کہ سید جلال الدین جان من جنتی متوفی ۹۵۱ھ کے وقت میں شیر شاہ سوری موجود تھا، وہ مقام ہلیسہ کے قریب دفن ہیں۔[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بھائی ہمایوں اور شیر شاہ کے زمانہ میں موجود تھے، اور سید جلال الدین کی وفات ۹۵۱ھ میں ہوئی اسی کے آگے یا پیچھے سید احمد بادپا کی وفات بھی ہوئی ہوگی، میر سید احمد بادپا کے کولہوا بن میں مدفون ہونے کی ایک اور دلیل انتصاح عن ذکر اہل الصلاح مصنفہ شاہ علی اکبر قلندر میں ہے۔

در حضرت میر سید احمد بادپا کہ در جنگل کولہوا بن نواحی شہر جونپور آرامگاہ اوست، یعنی

۱؎ حاشیہ تذکرۃ المتقین ص ۱۲ و ص ۱۳ ۲؎ تذکرۃ المتقین ص ۱۳۴۔

میر سید احمد بادپا کی آرامگاہ شہر جونپور کے اطراف میں کہلابن کے جنگل میں ہے[۱]۔

مذکورہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ مدار معمر ترین مشائخ میں سے تھے اور کئی سو سال تک زندہ رہے، اور میر سید جمال الدین اور میر سید احمد دونوں بھائی ہیں اور بی بی نصیبہ کے فرزند ہیں، اور یہ دونوں صاحبزادے شاہ مدار کے ساتھ ہندوستان آئے، ان کا اصلی وطن بغداد تھا۔

ان باتوں کی حیثیت افسانہ کی معلوم ہوتی ہے جس کی دلیل خود شاہ مدار کا بیان ہے جیسا کہ فصول مسعودیہ میں ہے کہ آخری عمر میں شاہ مدار نے اپنے خلفاء کو وصیت و نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ

و باز گفت کہ شمارا نیک معلوم است کہ	تم لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ اس آخری
دریں زمانۂ آخر از صد سال کسے زیادہ	زمانہ میں کوئی شخص سو سال سے
دریں عالم نمی ماند، و مارا حق سبحانہ	زیادہ اس دنیا میں نہیں رہا ہے،
... از کرم و فضل خود یکصد و بست	اور ہم کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے
و پنج سال در عالم کون نگاہ داشت،	فضل و کرم سے ایک سو پچیس ۱۲۵ سال
ازاں جملہ قریب سی و پنج سال در	اس دنیا میں بحفاظت رکھا، ان میں
ولایت شام گزرانیدم، و قریب چہل	سے پینتیس سال میں نے ملک
سال در دیار مکہ معظمہ و مدینۂ رسول	شام میں گزارے اور قریب چالیس
خدا و نجف علی مرتضیٰ بسر بردہ انواع	سال مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور نجف
علوم حاصل نمودہ بطریق صراط مستقیم	میں رہ کر قسم قسم کے علوم حاصل کئے
حتی الامکان به سلوک نمودم، و قریب	اور حتی الامکان صحیح راستہ پر چل کر راہِ
پنجاہ سال ست کہ در ممالک ہندوستان	سلوک طے کیا، اور قریب پچاس ۵۰ سال

۱؎ انتہمار ج ص ۹۸

بصحبت و رفاقت شما راحت و ذوق	سے ہندوستان کے شہروں میں تم
گرفتم الخ	لوگوں کی صحبت و رفاقت کا لطف
	لے رہا ہوں۔

اس کے بعد معاً صاحبِ فصول مسعودیہ لکھتے ہیں کہ شاہ مدار کا وصال روز پنجشنبہ تاریخ ۱۸ اٹھارہ ماہ جمادی الاولیٰ ۸۳۸ھ میں بعہد سلطان ابراہیم شرقی ہوا، ان کی ولادت ۷۱۵ھ میں ملک شام میں ہوئی تھی، اور ایک سو پچیس سال عمر پائی، گویا ۷۱۵ھ میں ملک شام میں جلوہ نما ہوئے اور ایک سو پچیس سال تک کسب کمالات کیا اور ۸۴۰ھ میں وفات پائی۔

ان تصریحات کی رو سے شاہ مدار کی حضرت محی الدین عبد القادر جیلانی متوفی ۵۶۱ھ سے نہ ملاقات ہوئی اور نہ ان کی ہمشیرہ بی بی نصیبہ اور ان کے صاحبزادوں کا قصہ صحیح ہے، اور نہ ہی شاہ مدار کی غیر معقول درازی عمر کی تصدیق ہوتی ہے، اور میر سید احمد بادپا کے بارے میں اس سلسلہ میں جو باتیں بیان کی جاتی ہیں سب بے بنیاد ہیں، بس اتنا ہے کہ شاہ مدار کے بارہ مشاہیر خلفاء میں سے ہیں اور ان کا مزار کہلابن میں ہے۔